ماخذ تحقیقی مجلہ
ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 4, Issue 3, (July to Sep 2023)
https://doi.org/10.47205/makhz.2023(4-III)urdu-06
OPEN ACCESS

قمر عباس علوی
شعبہ اردو یونیورسٹی آف جھنگ
ڈاکٹر اقصیٰ نسیم سندھو
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو گورنمنٹ صادق کالج ویمن یونیورسٹی بہاولپور
عالیہ مجید
لیکچرر،، شعبہ اردو گورنمنٹ صادق کالج ویمن یونیورسٹی بہاولپور

پروین طارق کی انشائیہ نگاری: ایک تجزیاتی مطالعہ

Qamar Abbas Alvi *
Department of Urdu, University of Jhang.
Dr.Aqsa Naseem Sindhu
Assistant Professor, Department of Urdu, Govt Sadiq College Women University Bahawalpur.
Alia Majeed
Lecturer, Department of Urdu, Govt Sadiq College Women University Bahawalpur

***Corresponding Author:** qamaralvi133@yahoo.com

Personal Essay Writing of Parveen Tariq: A Critical Study

ABSTRACT
Term Personal essay is used for such kind of writing that was started by French writer Michel de Montaigne and named Essai. In English it is called Personal or light essay while in Urdu it is called Inshaiya. The earliest traces of Inshaiya in Urdu can be found in the works of Mulla Wajhi's SUBRUS, the essays of Mir Nasir Ali and Sir Syed Ahmad Khan, letters of Mirza Asad Ullah Khan Ghalib or the short stories of Sajjad Haider Yaldarim. But as a genre of literature Dr. Wazir Agha and his friends (Anwar sadid, Mushtaq Qamar and

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 4, Issue 3, (July to Sep 2023)
https://doi.org/10.47205/makhz.2023(4-III)urdu-06
ماخذ تحقیقی مجلہ

Jameel Azar) performed it in the latter half of the twentieth century. Some women also played a fundamental role in promotion of urdu Inshaye, among which Parveen Tariq is the foremost.

Key Words: *Light Essay, Personal Essay, Essai, Inshaiya, Subjectivity.*

انشائیہ ایک خالص نثری صنف سخن ہے جس کا آغاز فرانسیسی مصنف مشل دی مونتین نے کیا اور اسے Essai کا نام دیا، انگریزی میں اسے پرسنل ایسے یا لائیٹ ایسے جب کہ اردو میں انشائیہ کہا جاتا ہے۔ اردو میں انشائیہ کے ابتدائی نقوش ملاوجہی کی سب رس، میر ناصر علی اور سرسید کے مضامین، غالب کے خطوط یا سجاد حیدر یلدرم کے افسانوں میں تلاش کیے جاسکتے ہے لیکن اسے بہ طور صنف بیسویں صدی کے نصف آخر میں ڈاکٹر وزیر آغا اور اس کے رفقاے کار نے برتا جن میں انور سدید، مشتاق قمر اور جمیل آذر سرفہرست ہیں۔ انشائیے کی اس روایت کو فروغ دینے میں کچھ خواتین نے بھی اساسی کردار ادا کیا جن میں پروین طارق سرفہرست ہیں۔

بیسویں صدی کے نصف آخر میں اردو انشائیہ جب ایک تحریک کی صورت میں سامنے آیا تو ڈاکٹر سلیم اختر (انشائیہ کی بنیاد) اور مشکور حسین یاد (ممکناتِ انشائیہ) نے اسے صنف ماننے کے بجائے طنزیہ اور مزاحیہ تحریروں کے مماثل قرار دیتے ہوئے اس کی حدود کو اس قدر پھیلانے کی کوشش کی کہ انشائیے کا تشخص مٹتا نظر آنے لگا انشائیے کے ساتھ اس امتیازی سلوک کا سبب کچھ بھی ہو بہ طور صنف ادب اس کے مطالعے اور تفہیم کے بجائے اسے متنازع بنانے کی کوشش کی گئی۔ جس کے ردعمل میں کچھ ادباء نے نہ صرف اسے الگ صنف سخن مانا بلکہ اپنی تنقیدی و تخلیقی کوششوں سے اس کے خدوخال تراشنے کی سعی بھی کی جن میں ڈاکٹر وزیر آغا (انشائیہ کے خدوخال)، ڈاکٹر انور سدید (انشائیہ اردو ادب میں)، ڈاکٹر بشیر سیفی (اردو میں انشائیہ نگاری) اور ڈاکٹر اسد اللہ (انشائیہ کی روایت: مشرق و مغرب کے تناظر میں اور یہ ہے انشائیہ) بہ طور خاص ہیں۔ موخر الذکر قبیل کے لکھاریوں نے نہ صرف اسے تحقیق و تنقید کا موضوع بنایا بلکہ خود انشائیے لکھ کر بھی اس صنف میں اضافہ کیا۔ صنف انشایہ کو فروغ دینے میں ڈاکٹر وزیر آغا (خیال پارے، دوسرا کنارہ، چوری سے یاری تک، سمندر اگر میرے اندر گرے) ڈاکٹر انور سدید (آسمان میں پتنگیں، ذکر اس پری وش کا)، جمیل آزر (شاخِ زیتون، رُت کے مہمان، وقت اے وقت) مشتاق قمر (ہم ہیں مشتاق) ڈاکٹر سلیم آغا (سرگوشیاں، آمنا سامنا، نام میں کیا رکھا ہے) اور ناصر عباس نیر (چراغ آفریدم) ایسے ثقہ اہل قلم حضرات کے ساتھ نئے لکھاریوں (منور عثمانی، حنیف باوا، مشتاق احمد، شفیع ہمدم) نے شمولیت کی وہیں مردوں کے ساتھ عورتیں بھی پیش پیش رہیں جن میں رعنا تقی، ابصار انجم، سعشہ خان، راحت بھٹی، عذرا اصغر، روبی جعفری، سرینا خان، فاطمہ بتول، ساجدہ نواز اور پروین طارق بہ طور خاص ہیں۔

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 4, Issue 3, (July to Sep 2023)
https://doi.org/10.47205/makhz.2023(4-III)urdu-06

انشائیے کی بابت یہ وضاحت بے جانہ ہو گی کہ انشائیہ ایک خالص نثری صنف ہے جس کا آغاز مشہور فرانسیسی مصنف مشل دی مونتین (۱۵۳۳ تا ۱۵۹۲) نے کی اور اسے Essai کا نام دیا جس کی بدلی ہوئی صورت Essay ہے۔ جب یہ صنف ادب فرانسیسی سے انگریزی میں آئی تو انگریزی میں Essay کا لفظ پہلے سے مقالہ یا مضمون کے لیے مستعمل تھا اور مشکل یہ تھی کہ مونتین کا Essai اپنے غیر رسمی اور شگفتہ اسلوب اور انکشاف ذات کے باعث انگریزی کے مقالے یا مضمون سے بالکل مختلف نوعیت کی نثر تھی، ابہام سے بچنے کے لیے انگریزی مصنفین نے اس کے لیے Personal Essay یا Light Essay کی اصطلاح متعارف کروائی جس کا اردو متبادل انشائیہ ہے۔ یوں انشائیہ سے مراد ایسی تحریر ہے جو مضمون یا مقالے کی طرح رسمی نہ ہو یعنی ٹھوس منطقی انداز میں آگے بڑھتے ہوئے کسی نتیجے کا استخراج نہ کرتی ہو بلکہ اپنی دل فریب اسلوب اور انکشاف ذات سے کسی موضوع کے مخفی پہلو آشکار کرتی ہو۔ بقول ڈاکٹر سلیم آغا قزلباش: انشائیہ ایک ایسی تحریر ہے جس میں ایک نقطہ خیال دوسرے نقطہ خیال سے پھوٹتا ہے اور پھیل کر دوبارہ پہلے نقطے میں سمٹ آتا ہے مگر اس فرق کے ساتھ کہ جب دوبارہ مرکزی نقطے کو چھوتا ہے تو معنی کی ایک نئی پرت، فکر کا انوکھا زاویہ اور خیال کی تازہ لہر نمودار ہو جاتی ہے[۱]۔ انشائیہ اگر اس نئی پرت، نئے خیال یا فکر کے انوکھے اور ان دیکھے زاویے کو آشکار نہیں کرتا تو مضمون سے اپنی جداگانہ شناخت نہیں قائم کر پاتا۔ انشائیہ نگار اپنے قاری کو دلائل یا منطقی انداز سے قائل کرنے کی قطعاً سعی نہیں کرتا بلکہ اس کی کوشش نئے پن کی دریافت اور شگفتہ اظہار کو محیط رہتی ہے۔ انشائیہ نگار کا یہ زاویہ نگاہ کسی سیاح سے گہری مشابہت رکھتا ہے جس کی آنکھ کسی نئے ملک یا علاقے کی انوکھی اور منفرد اشیاء کو فوراً پہچان لیتی ہے جو اس ملک یا علاقے کے باسیوں کے لیے معمولی ہوتے ہوئے نظروں سے اوجھل رہتی ہے۔[۲]

پروین طارق (اصل نام معراج پروین) ۱۸۔ ستمبر ۱۹۴۰ کو شملہ (بھارت) میں پیدا ہوئیں ان کے والد جنرل ہیڈ کوارٹرز میں ملازم تھے، قیام پاکستان کے بعد جب ہیڈ کورٹر راولپنڈی منتقل ہوا تو پروین اپنے والد کے ساتھ راولپنڈی آ گئیں۔ پروین نے اپنی عملی زندگی کا آغاز گورنمنٹ کالج برائے خواتین جھنگ سے بہ طور لیکچرر اردو کیا تاہم بہت جلد ملازمت سے سبک دوش ہو کر شوہر (بیرسٹر فرزند علی طارق) کے ساتھ لندن سدھاریں۔ ۱۹۸۲ میں شوہر کی اچانک وفات کے بعد پاکستان واپس آئیں اور دوبارہ ملازمت شروع کر دی، اس بار زیادہ عرصہ مارگلہ کالج برائے خواتین راولپنڈی میں قیام رہا۔ درس و تدریس کے ساتھ شاعری اور نثر میں طبع آزمائی کی تاہم ان کی فطری مناسبت، جمیل آذر (جو گورڈن کالج راولپنڈی میں ان کے ہم جماعت تھے) کا اصرار اور ڈاکٹر وزیر آغا کی حوصلہ

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 4, Issue 3, (July to Sep 2023)
https://doi.org/10.47205/makhz.2023(4-III)urdu-06

افزائی انھیں انشائیہ کی طرف لے آئے۔ پروین طارق کا انتقال ۲۹۔ جون ۲۰۱۰ میں راولپنڈی میں ہوا اور ایچ الیون قبرستان (اسلام آباد) میں سپرد خاک ہوئیں۔

پروین طارق اردو کی پہلی خاتون انشائیہ نگار ہیں[۳] جن کے انشائیے کتابی صورت میں یکجا ہو چکے ہیں؛ مبادا غلط فہمی ہو پروین کو پہلی خاتون انشائیہ نگار کہنے کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ ان سے پہلے کسی خاتون نے انشائیہ تحریر نہیں کیا بلکہ مدعا یہ ہے کہ رعنا تقی اور دیگر خواتین نے بھی انشائیے تو تحریر کیے مگر ان کی تعداد اس قدر کم ہے کہ انگلیوں پر گنے جا سکیں یا پھر یہ خواتین اپنے انشائیوں کی کتابی صورت میں دل چسپی نہیں رکھتیں۔ ان کے بر عکس پروین طارق تھوڑے عرصے میں اس قدر انشائیے تحریر کرنے میں کامیاب ہو گئیں کہ وہ **بولتے سناٹے** اور **جنگل رت** ترتیب دے سکیں۔

پروین طارق کی قلمی زندگی کا آغاز ہر اچھے ادیب کی طرح طالب علمی کے زمانے میں ہی ہلکے پھلکے مضامین کی صورت میں ہو گیا ازاں بعد وہ نثر کے ساتھ ساتھ نظم کو بھی ذریعہ اظہار خیال بنانے لگیں تاہم فن انشائیہ نگاری ان کے مزاج سے زیادہ موزوں ثابت ہوا جس کا بین ثبوت مذکورہ صدر دو مجموعے ہیں۔ پروین اپنے انشائیوں کی بابت لکھتی ہیں: میرے بچپن کا اول زمانہ شملے میں گزرا، میری پیدائش وہیں ایک ہسپتال میں ہوئی۔ کھیل کود میں پہاڑوں کی خوب صورتی سے محظوظ ہونا، وہاں پر اگی کھٹی میٹھی جڑی بوٹیوں کا چکھنا، پرندوں اور گلہریوں کو پکڑنا، بندروں کے غول سے ڈر کر بھاگنا۔ یہ سب آج بھی میرے ذہن میں محفوظ ہے[۴] حقیقت میں صرف محفوظ ہی نہیں ان کے انشائیوں کا توانا موضوع ہے۔

بچپن کسے عزیز نہیں؟ انسان جتنی بھی ترقی کر لے بچپن کی یادوں کو دل سے نہیں نکال سکتا: خاص کر جب کسی بچے کو (بچپن کے) ان منازل سے گزرتے دیکھتا ہے تو بے اختیار اس کے دل میں دوڑ پیچھے کی طرف اے گردش ایام تو کا خیال جنم لیتا ہے۔ بچپن کی سمت پلٹنے کی خواہش محض ایک خیال نہیں جسے پل بھر میں ذہن سے جھٹک دیا جائے بلکہ ایک حسرت یا حسین یاد بن کر ہمیشہ محفوظ رہتی ہے۔ شاید یہی سبب ہے کہ گزرتا ہوا وقت کچھ اشیاء کو اہم بنا دیتا ہے یا کم از کم ان کی ہئیت اور معنویت بدل دیتا ہے۔ بقول جمال احسانی: جمال ہر شہر سے ہے وہ شہر پیارا مجھ کو / جہاں سے دیکھا تھا پہلی بار آسمان میں نے[۵]۔ پروین طارق کے انشائیوں میں بھی ان کا ہنستا بولتا، چھوٹے بہن بھائیوں سے لڑتے جھگڑتا اور اٹھکھیلیاں کرتا بچپن پوری شدّ و مد کے ساتھ موجود ہے۔ ان کا ہم جولیوں کے ساتھ جھولا جھولنا ہو یا گڑیوں سے کھیلنا، مٹی کے کھلونے اور ریت کے گھروندے بنانا ہو یا موتیوں کے ہار پرونا اور محدب

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 4, Issue 3, (July to Sep 2023)
https://doi.org/10.47205/makhz.2023(4-III)urdu-06

ماخذ تحقیقی مجلہ

عدسہ کی مدد سے سورج کے شعاعوں کی جمع آوری سے کاغذ جلانے کے کھیل میں ہاتھ جلا بیٹھنا، سب کچھ عیاں ہے جو اس عمر میں بچوں کی دل چسپی کا باعث ہوتا ہے۔ پروین بچپن کے ان واقعات کو بغیر کسی لگی لپٹی کے پوری صداقت کے ساتھ قارئین کے سپرد کرتی ہیں مگر ان کی پیش کش کسی صحافی کے بیان یا رپورٹ سے بالکل مختلف نوعیت کی رہتی ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں :

> ہمارے بچپن کا زمانہ بھی کیا خوب تھا۔ زندگی کی خوشیاں بڑی سہل الحصول تھیں۔ ہم نے بھی ہر بچے کی طرح مٹی کے کھلونوں سے خوب کھیلا ہے۔ اکثر گلہریوں کے پیچھے بھاگنا ہم جولیوں کا پسندیدہ کھیل رہا ہے۔ نہ جانے کس نے ہم سے کہہ دیا تھا کہ گلہری کی دم میں چونی (بچیس پیسہ) ہے جس نے اس کو پکڑ لیا وہ چونی اس کی ہو گئی۔ اس کوشش میں نہ تو گلہری ہاتھ آئی وہ چونی حاصل ہو سکی، البتہ اتنا ضرور ہوا کہ اپنی کم عمری ہی میں پیسوں کی شناخت ہو گئی۔ آج بھی وہ چونی جو حاصل نہ ہو سکی یاد آجاتی ہے تو ایک مسکراہٹ ہونٹوں پر بکھر جاتی ہے۔(۶)

> بچپن کا زمانہ ہر شخص کے لیے دل چسپی کا باعث ہے خاص طور پر ہماری روح اس جگہ منڈلاتی رہتی ہے جہاں ہم نے بچپن کے خوش کن لمحے گزارے ہوں۔ ایسے لمحوں میں بچپن کی وہ گرم دوپہریں کسے یاد نہیں جب ڈگڈگی کی آواز پر گلی کوچے کے تمام بچے جمع ہو جاتے تھے۔ جب بندریا گھگریا پہنے، ڈھول کی تھاپ پر رقص کرتی تھی، اور ڈھولک نما کرسی پر بیٹھ کر آئینہ ہاتھ میں لیے طرح طرح کے منہ بناتی تھی اور اپنے آپ کو سنوارتی تھی اور رنگ برنگی کنگھی سے بال ٹھیک کرتی جاتی تھی۔(۷)

مذکورہ صدر دونوں اقتباسات میں انشائیہ نگار نے بچپن کی ان یادوں کی بازیافت کی ہے جن کا کوئی افادی پہلو نہ سہی اپنے اندر ایک معصومیت ضرور رکھتی ہے جن کی یاد کچھ پل کو سہی ہونٹوں پر بے نام سی ہنسی کو بکھیر دیتی ہے۔ بچپن کے یہ معمولی مشاغل اپنے وقت میں ایک انوکھی جاذبیت رکھتے ہیں، اپنا طالب علمی کا زمانہ ہو یا وہ گھر جس میں والدین کے زیرِ سایہ دیگر بہن بھائیوں کے ساتھ بچپن اور لڑکپن گزرا، پروین کی یادوں کا حصہ ہے۔ جمیل آذر نے لکھا ہے کہ پروین طارق اپنے بچپن کو یادوں کے آئینے میں دیکھتی ہے(۸)۔ جو کچھ غلط نہیں لیکن اس میں اتنا اضافہ کرنا بے جانہ ہو گا کہ وہ صرف بچپن ہی کو یاد کے آئینے میں نہیں دیکھتیں ان کا تمام ماضی اسی آئینے سے منعکس

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 4, Issue 3, (July to Sep 2023)
https://doi.org/10.47205/makhz.2023(4-III)urdu-06

ہے: وہ کم سنی کی شرارتیں ہوں یا طالب علمی کے زمانے کے مشاغل، معلمی کا دور ہو یا اس کے بعد کی زندگی کے واقعات کچھ بھی اس سے مخفی نہیں۔ پروین طارق کے انشائیوں کا خاصا ہے کہ وہ قاری کو بے تکلف دوست کی طرح اپنے خیالات منتقل کر دیتی ہیں جس کے باعث قاری ایک بے نام جذبے کی ڈور میں بندھا اس کا ہم نوا ہو جاتا ہے، جسے انشائیہ نگار اپنی انگلی تھمائے اپنی ذات کے جزیروں کی سیر کرواتی ہے، تاہم مزے کی بات یہ ہے کہ قاری کہیں بھی یکسانیت اور اجنبیت کا شکار نہیں ہوتا بلکہ ہم سفر کی طرح قدم سے قدم ملائے محوِ سفر رہتا ہے۔

انشائیہ کو ایک ایسی کھڑکی کے مانند قرار دیا جاتا ہے جس سے قاری تخلیق کار کے بطون میں جھانک سکتا ہے، پروین کے انشائیوں میں یہ خوبی بہ درجہ اُتم موجود ہے۔ سطورِ بالا میں ہم لکھ آئے ہیں کہ یادِ پروین کے انشائیوں کا نمایاں پہلو ہے لیکن ان کا امتیاز یہ کہ یادانھیں کہیں ناسٹلجک (Nostalgic) نہیں بناتی، برعکس اس کے انکشافِ ذات کی راہ ہموار کرتی ہے جو انشائیہ کا وصف ہے۔ پروین کے انشائیوں کے مطالعے سے ان کی زندگی کے اہم واقعات اور پسند وناپسند کا ایک خاکہ ہر درجے کا قاری اپنے ذہن میں ترتیب دے سکتا ہے جو بہ الفاظِ دیگر انکشافِ ذات یا قاری کا تخلیق کار کے بطون میں جھانکنے کے مماثل ہے۔ چند مثالیں پیش ہیں :

> طالب علمی کے زمانہ ہی سے گھر میں اکثر اپنے کمرے کا انتخاب دیگر بہن بھائیوں کے مقابلے میں جلد کر لیتی تھی تاکہ یکسوئی کے ساتھ پڑھائی ہو سکے[۹]

> آج ریٹائرمنٹ کے بعد جب میں گزشتہ وقت یاد کرتی ہوں تو گورنمنٹ کالج برائے خواتین جھنگ گھیانہ یاد آ جاتا ہے۔ ۲۶ء میں پنجاب کے دور افتادہ علاقہ میں لڑکیوں کے لیے گرلز کالج کا قیام عمل میں لایا گیا۔ ایم اے اردو کرتے ہی اس کالج میں تقرری کے لیے قدرت نے خود بخود راہیں ہموار کیں ۔ انٹرویو میں کامیاب ہوتے ہی ہم عازم جھنگ ہوئے۔ اس وقت ٹرین اور بسوں کے ذریعے جھنگ پہنچنا خاصا مشقت طلب مسئلہ تھا"[۱۰]

> "ایک نامعلوم سی خواہش نے مجھے ہمیشہ مضطرب رکھا لیکن دنیا داری کا لبادہ اوڑھ کر میں نے اپنے شوہر کی بے وقت موت کو دل کی کسی کوٹھڑی میں مقید کر دیا۔ روزی روٹی کے چکر، بچیوں کی پرورش، اپنی عمر رسیدہ والدہ کی خدمت نے مجھے اس قدر مصروف کر دیا کہ میری زندگی کے پچیس برس خاموشی سے بیت گئے۔ بیٹیوں کے بیاہے جانے اور والدہ کی وفات کے

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 4, Issue 3, (July to Sep 2023)
https://doi.org/10.47205/makhz.2023(4-III)urdu-06
ماخذ تحقیقی مجلہ

> بعد اس تنہائی اور روزنِ دل سے اٹھتی سرگوشیوں نے تنہائی کے اصل مفہوم سے آشنا کیا۔"(۱۱)

> صنفِ نازک ہونے کے ناطے لطیف احساسات نے ہمیشہ نازک اور خوب صورت چیزوں کا شیدا بنایا۔ بچپن سے موتیوں سے کھیلنا میرا مشغلہ رہا۔۔۔ عمر کے ساتھ ساتھ خوش لباسی بڑھتی رہی تو موتیوں کے ہار خریدنا اور بھاتا رہا۔"(۱۲)

بات انھی چند مثالوں ہی کو محیط نہیں بلکہ ان کے ہر انشائیے میں ان کی ذات کا کوئی نہ کوئی گوشہ بے نقاب ہوتا ہے، یہاں شاید اس بات کی وضاحت اعادہ سے زیادہ نہیں ہوگی کہ انشائیہ نگار نہ تو سوانح گار کی طرح زندگی کے جملہ واقعات کے دَر قاری پر وا کر دیتا ہے نہ ہی طنزیہ و مزاحیہ مضامین کی طرح احمد کی پگڑی محمود کے سر سجتی ہے۔ انشائیہ نگار اپنی ذات کی نقاب کشائی اس حد تک کرتا ہے جہاں تک قاری کی دل چسپی برقرار رہے اور اس کی ذات کا انکشاف موضوع نئے مفاہیم کی راہ کھول سکتا ہوا اور اشائیہ کے حدود بھی برقرار رہیں، پروین طارق اس بات کا بہ خوبی پاس رکھتی ہیں۔ پروین طارق کے انشائیوں سے ایک خالص نسوانی پیکر ابھرتا ہے جو ماورائی نوعیت کا نہیں مشرقی تہذیب و تمدن کا پروردہ ہے جسے موتیوں کی مالا سے بھی لگاوٴ ہے اور دوپٹا کاڑھتی بھی نظر آتی ہے، بچوں کی نگہداشت کے ساتھ ساتھ پردہ اور چاردیواری کی اہمیت کا احساس بھی رکھتی ہے، لیکن بیوٹی پارلر جانے کو بھی معیوب نہیں سمجھتی۔ خود بھی اعلا تعلیم یافتہ ہے اور بچوں کے روشن مستقبل کی تمنائی بھی ہے، ملازمت پیشہ بھی ہے اور گھریلو خاتون بھی، بہ حیثیتِ مجموعی پردے کی عادی اور روایتی پیکر ہے۔ ہر چند یہ پردہ بسا اوقات اس کے جذبات اور ارمانوں کی راہ میں رکاوٹ بھی ثابت ہوا ہے تاہم وہ دوپٹا اور عورت کو لازم و ملزوم خیال کرتی ہے: خواہ وہ دوپٹا مہین ململ کا ہو، جاپانی شفون کا یا پھر ریشمی دھاگوں کا کڑھا ہوا بہ ہر صورت اس کے نزدیک نسوانی ضرورتوں کی پیداوار ہے۔ پروین طارق کے انشائیوں کی عورت کسی بڑے شہر کی باسی نہیں ہے بلکہ دیہات کی فضا میں سانس لیتی ہے اور مٹی کے چولھوں پر کھانا پکانے اور اپنے دوپٹے کو جھولا بنا کر بچے کو سلانے کی عادی ہے۔ تاہم ایک اچھی معلمہ کی حیثیت سے طالبات کے ساتھ سیر و تفریح کے دوران گھنے درختوں اور ہرے بھرے میدانوں میں گھومنے اور وقت گزارنے میں راحت محسوس کرتی ہے۔ یہی عورت، معلمہ اور اپنے اکمل روپ میں ایک شفیق ماں کے روپ میں ظاہر ہوتی ہے جو ہر لمحہ اپنی ذمہ داریوں سے آشنا بھی ہے اور بچوں کے مستقبل کے لیے متفکر بھی۔ انشائیہ "استاد" سے ایک مثال: "ایک عورت ہر دور میں اچھائیوں کا مرکب رہی ہے۔ عورت ہونے کے ناطے جب میں

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 4, Issue 3, (July to Sep 2023)
https://doi.org/10.47205/makhz.2023(4-III)urdu-06
ماخذ تحقیقی مجلہ

اپنی ذات کا تجزیہ کرتی ہوں تو مجھے اپنی ذات میں ایک مکمل ماں اور اپنی اولاد کے لیے ایک شفیق استاد کا رنگ بھی دکھائی دیتا ہے۔۔۔ آج مادیت پرستی کے عفریت نے والدین کو بچوں سے کافی حد تک دور کر ڈالا ہے، ایک بھاری ذمہ داری استاد پر آن پڑی ہے کہ وہ خلوصِ نیت سے آنے والی نسلوں کی آبیاری کرے۔"(۱۳)

مٹتی ہوئی اقدار اور بدلتے ہوسماج میں پروین جب انسان کی مادی ترقی کا جائزہ لیتی ہیں تو بے سکون ہو جاتی ہیں۔ اقدار کی پامالی کا احساس انھیں خود احتسابی اور دروں بینی کی راہ دکھاتا ہے اور وہ تفکر اور استغراق کی گہرائیوں میں ڈوب کر خود کلامی کا سہارا لیتی ہیں، اس گہرے تفکر و استغراق سے نکلتے ہی انھیں زندگی نئی نئی دکھائی دیتی ہے اور وہ اس کی نئی تعبیر کے قابل ہو جاتی ہیں۔ اگرچہ کہیں کہیں اصلاح کی ہلکی سی لہر بھی ان کے انشائیوں میں محسوس ہوتی ہے تاہم یہ شاذ و نادر ہی ہوتا ہے۔ پروین اپنی بے اطمینانی کو سکون میں بدلنے کے لیے فطرت کی بانہوں میں پناہ لیتی ہے جس کے باعث جنگل، پہاڑ، سرسبز کھیت، وادیاں، گھر کے صحن میں اگے سرو کے درخت پر بسیرا کرنے والا فاختاوں کا جوڑا انھیں یکساں عزیز ہیں۔ وہ لکھتی ہیں: "میرا جی یہی چاہتا ہے کہ میں اس مشینی زندگی کے عذاب سے جلد نجات حاصل کر لوں اور وطن کی وادیوں میں آزادانہ گھوموں پھروں، ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں میری ماں کی طرح پیشانی کا بوسہ دیں اور میں دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہو جاوں! بے شک میرے وطن کی مٹی میری ماں کا سفید آنچل ہے اور اسی آنچل کے نیچے مجھے سکون مل سکتا ہے۔"(۱۴)

فطرت سے معانقہ کی یہی خُو والدین اور شوہر کی بے وقت جدائی اور بیٹیوں کے بیاہے جانے کے بعد تنہائی میں ایک چھوٹے سے گھر میں اپنی زندگی گزارنے والی انشائیہ نگار کے لیے خلوت میں جلوت کا ساماں کرتی ہے، نتیجتاً ایک چھوٹے سے کمرے کی تنہائی میں وہ کئی محفلوں کے اسباب مہیا کر لیتی ہیں، وہ لکھتی ہیں: زندگی کی تلخیاں جب مجھے تھکا دیتی ہیں تو میں اپنے تھکے ہارے سر کو نرم تکیے کے حوالے کر دیتی ہوں تو مجھے محسوس ہوتا ہے گویا میری روح کسی جنگل و بیابان میں بھٹکتی پھر رہی ہے اور میں درختوں کے پتوں سے ٹکراتی ہوا کی سرگوشیاں سن رہی ہوں(۱۵)

من حیث المجموع پروین طارق کے انشائیوں میں عورت اپنی متنوع حیثیتوں سے موجود ہے کہیں وہ ایک استاد کے روپ میں تو کہیں ایک چنچل لڑکی اور کہیں ایک شفیق ماں کے روپ میں جسے اپنی اقدار، اپنے سماج اور مظاہر فطرت سے بے پناہ محبت ہے۔ پروین کے انشائیوں میں عورت کا جو امیج ابھرتا ہے وہ اپنی جملہ دل چسپیوں اور عادات کے ساتھ ساتھ خالص مشرقی تہذیب کا پروردہ ہے لیکن رجعت پسند نہیں اور وقت کے بدلتے تقاضوں سے

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 4, Issue 3, (July to Sep 2023)
https://doi.org/10.47205/makhz.2023(4-III)urdu-06

ماخذ تحقیقی مجلہ

خوب واقف اور فرض شناس ہے۔ بلا مبالغہ اردو انشائیے کی روایت میں پروین طارق وہ تخلیق کار ہیں جنھوں نے عورت اور اس کے جذبات کو اپنے انشائیے کا موضوع بنایا۔

حوالہ جات

۱۔ سلیم آغا قزلباش، ڈاکٹر، اشارے، راولپنڈی: نقش گر پبلی کیشنز، ص:۱۲۲

۲۔ وزیر آغا، ڈاکٹر، انشائیہ کے خدوخال، لاہور: مکتبہ فکر و خیال، ۱۹۹۰، ص:۱۲

۳۔ پروین طارق، پیش لفظ، بولتے سناٹے، لاہور: کاغذی پیراہن، ۲۰۰۶

۴۔ پروین طارق، پیش لفظ، بولتے سناٹے، لاہور: کاغذی پیراہن، ۲۰۰۶ ص:۱۷

۵۔ جمال احسانی، کلیات جمال (مرتب: عقیل عباس جعفری)، اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، ۲۰۰۸، ص:۴۲

۶۔ پروین طارق، جنگل رت، اسلام آباد: اسلوب، ۲۰۱۳، ص:۲۸

۷۔ پروین طارق، بولتے سناٹے، لاہور: کاغذی پیراہن، ۲۰۰۶، ص:۴۴

۸۔ جمیل آزر، پس نوشت: پروین طارق، جنگل رت، اسلام آباد: اسلوب، ۲۰۱۳

۹۔ ایضاً، ص:۶۵

۱۰۔ ایضاً، ص:۷۹

۱۱۔ ایضاً،، ص:۴۳

۱۲۔ ایضاً، ص:۹۴

۱۳۔ ایضاً، ص:۸۳

۱۴۔ پروین طارق، بولتے سناٹے، لاہور: کاغذی پیراہن، ۲۰۰۶، ص:۷۴

۱۵۔ پروین طارق، جنگل رت، اسلام آباد: اسلوب، ۲۰۱۳، ص:۵۹